شاہنامۂ فردوسی اور شفیعی کدکنی کی شاعری

ڈاکٹر محمد ناصر☆

Abstract:

It is now more than one thousand years that Abu Al Qasem Ferdowsi Tusi mesmerized not only the great Iranian nation but the true lovers and followers of Persian literature in general and epic poetry in particular. Anywhere when somebody speaks of national epics, people remind of the glorious art of Ferdowsi and the immortal courage and bravery of Rustam. One should have dare to say that Shahnameh of Ferdowsi has influenced Persian poetry more than any other epic. Even some great modern poets like Mahdi Akhawan Sales and Shafiee Kadkani have been significantly influenced by the Lord of Tus. In this article some mythologies of Shahnameh have been comparatively evaluated with the poetry of Shafiee Kadkani.

فردوسی توسی (۹۴۰۔۱۰۲۰ء) کو گذشتہ ایک ہزار برس سے سرزمین ایران میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہے، کوئی دوسرا شاعر یا ادیب اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فردوسی نے تیس برس کی محنت شاقہ کے بعد جو عظیم فن پارہ شاہنامہ کی صورت میں مرتب کیا، اُسے آج بھی بنی نوع انسان کی تاریخ کا عظیم ترین قومی حماسہ تسلیم کیا جاتا ہے۔(۱) فردوسی نے ملی جذبے سے سرشار ہو کر

☆اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، کلیہ شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

تاریخ ایران کی سینہ بہ سینہ چلی آنے والی افسانوی اور دیومالائی روایت کو شعر کے دلکش پیکر میں ڈھال دیا، جسے ایرانی قوم نے بلاشبہ اپنی روح میں بسا لیا ہے۔

فردوسی کے بعد آنے والے تقریباً تمام شاعروں اور ادیبوں نے اُس کے گہرے اثرات قبول کیے ہیں، اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ جدید فارسی شاعری کا بانی اور باوا آدم کہلانے کا صحیح حقدار تو نیما یوشیج (۱۸۹۶۔۱۹۶۰ء) ہی ہے، لیکن نیمائی شاعری کو بام عروج تک پہنچانے میں مہدی اخوان ثالث (۱۹۲۸۔ ۱۹۹۰ء)، فروغ فرخزاد (۱۹۳۵۔ ۱۹۶۷ء)، سہراب سپہری (۱۹۲۸۔۱۹۸۰ء)، احمد شاملو (۱۹۲۵۔ ۲۰۰۰ء)، سیاوش کسرائی (۱۹۲۶۔۱۹۹۵ء) اور شفیعی کدکنی (۱۹۳۹ء) کا کردار ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

جدید دور کے ان سبھی مذکورہ بالا شعراء میں سے شفیعی کدکنی، جن کا قلمی نام، م۔سرشک ہے، کئی اعتبار سے منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ جدید دور کے ان نامور شعراء کی فہرست میں شامل واحد شاعر ہیں جن کی شاعری کا سلسلہ ابھی تھما نہیں، بلکہ یہ سیل رواں ہنوز جاری و ساری ہے۔ ایک مسلمہ شاعر ہونے کے علاوہ شفیعی کدکنی فارسی زبان و ادب کے نامور استاد اور بے مثل محقق بھی ہیں۔قدیم وجدید فارسی شاعری پر اُن کی گہری نظر ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ وفلسفہ بھی اُن کے پیش نظر رہے ہیں، جس کی جھلک اُن کی شاعری میں بھی جا بہ جا دکھائی دیتی ہے۔

شفیعی کدکنی، فردوسی توسی ہی کی طرح ایران کے صوبہ خراسان کے باسی ہیں۔فارسی کے ایک اور عظیم شاعر فریدالدین عطار نیشاپوری ہی کی طرح اُن کا تعلق نیشاپور کے قریبی قصبے کدکن (۲) سے ہے۔ غالباً اسی بنا پر اُن کی شاعری میں فردوسی کی طرح قدیم ایرانی داستانوں اور عطار کی طرح تصوف وعرفان سے گہرا شغف بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

شفیعی کدکنی کے مطبوعہ شعری آثار مندرجہ ذیل ہیں:

۔زمزمہ ہا(۱۹۶۵ء، مشہد) ۔ شبخوانی (۱۹۶۵ء، مشہد)

- از زبان برگ (۱۹۶۸ء، تہران)
- مثل درخت در شب باران (۱۹۷۷ء، تہران)
- بوی جوی مولیان (۱۹۷۸ء، تہران)
- خطی ز دل تنگی (۱۹۹۷ء، تہران)
- در ستایش کبوتر ہا (۱۹۹۷ء، تہران)
- در کوچہ باغ ہای نشابور (۱۹۷۱ء، تہران)
- از بودن و سرودن (۱۹۷۷ء، تہران)
- مرثیہ ہای سرو کاشمر (۱۹۹۷ء، تہران)
- غزل برای گل آفتاب گردان (۱۹۹۷ء، تہران)
- ستارۂ دنبالہ دار (۱۹۹۷ء، تہران)

اُن کی شاعری کی پہلی سات کتابیں ایک مجموعے کی صورت میں ''آئینہ ای برای صدا ہا'' کے زیر عنوان شائع ہوئی ہیں، اسی طرح ایک طویل خاموشی کے بعد ۱۹۹۷ء میں شاعری کی آخری پانچ کتابیں ''ہزارۂ دوم آہوی کوہی'' کے عنوان سے منظر عام پر آئیں۔

شفیعی کدکنی کی شاعری میں شاہنامۂ فردوسی میں مذکورہ افسانوی داستانوں اور دیومالائی واقعات کی طرف کثرت سے اشارے ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

آتش

آتش یا آگ کو زرتشتی مذہب کے پیرو قدیم ایرانی معاشرے میں غیر معمولی حیثیت حاصل تھی۔ ایران میں آگ کی پیدائش کو ہوشنگ سے منسوب کرتے ہیں۔ شاہنامہ کی روایت کے مطابق ایک روز ہوشنگ شکار پر تھا، اُس نے راستے میں ایک سانپ کو دیکھا، چونکہ وہ اس جانور سے نا آشنا تھا، پس اُس پر ایک پتھر دے مارا، جو کسی دوسرے پتھر سے ٹکرایا، اور اس کے نتیجے میں آگ پیدا ہوئی:

نشد مار کشتہ ولیکن ز راز پدید آمد آتش از آن سنگ باز (فردوسی، ۱/۳۳)

ہوشنگ نے آگ کی پیدائش پر عظیم الشان جشن منایا، جسے آج بھی اہل ایران ''جشن سدہ'' کے نام سے مناتے ہیں۔

شفیعی کے ہاں کلمہ ''آتش'' کثرت سے استعمال ہوا ہے (۳) چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

من بہ زبان اشک خود می دہمت سلام وتو بر سر آتش دلم ہمچو زبانہ می روی

(شفیعی کدکنی (الف)، ص ۲۹)

شعلۂ آتش عشقم، منگر بر رخ زردم　　همہ اشکم، همہ آہم، همہ سوزم، همہ دردم (ص ۳۶)
راہ گم کردہ است شاید در نشیب دشت　　آتشی باید کہ درین تیرگی راهیش نماید (ص ۱۲۱)
کجا قنقوس بال افشان کند　　در آتشی دیگر (ص ۲۴۶)
چہ آتش داری اندر سینہ ای مرد　　کہ در سازت سمندر می زند بال (ص ۲۸۸)

آسمان

قدیم زمانے ہی سے آسمان ، بنی نوع انسان کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے۔ اسلامی عہد میں سات آسمانوں کا تصور سامنے آیا، فردوسی نے آسمان کے سات سیاروں کا ذکر ایک شعر میں یوں کیا ہے:

چو کیوان و بہرام و ناہید و شیر　　چو خورشید و تیر از بر و ماہ زیر (فردوسی، ۴۳/۵)

شاہنامہ ہی میں ایک اور جگہ زمین و آسمان کے سات سات طبقات کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے:

زگرد ستوران در آن پہن دشت　　زمین شد شش و آسمان گشت ہشت (ایضاً، ۶۶/۲)

اسلامی تہذیب میں غالباً بہشت کو آسمان پر تصور کیا جاتا ہے، اسی لیے تمام دعائیں آسمان کی طرف مونہہ کر کے ہی مانگی جاتی ہیں۔ فردوسی اور شفیعی کدکنی کے ہاں بھی اسی طرح کے تصورات ملتے ہیں۔ (۴)

آسمان آرزوہای مرا　　روشنائی خندۂ ناہیدش (شفیعی کدکنی (الف)، ص ۲۵)
گر نتابد اختری بر آسمان من چہ غم　　پرتو شمعی بہ شام سوگواران کو مباش (ص ۴۷)
تو با آن بزرگی در آسمان ہا　　چنین آرزوئی بدین کوچکی را (ص ۲۰۸)
وقتی کہ صد کوکب، از دور دستان　　این شب در خیمہ ی آسمان ریخت (ص ۲۵۸)
آسمانت ہمہ جا سقف یک زندانی است　　روشنای سحر این شب تارانت کو؟ (ص ۳۱۵)

افراسیاب و سیاوش

افراسیاب ، شاہنامہ کی رو سے توران کا بادشاہ اور ایران کا دشمن مانا جاتا ہے۔ ایرانی

روایات میں افراسیاب ایک خوفناک شخص کے طور پر جانا جاتا ہے جو ایک طویل عرصہ تک ایرانی پہلوانوں کے ساتھ جنگوں میں مصروف رہا۔فردوسی کے مطابق اُس نے ہمیشہ کی زندگی پانے کے لیے بلند وبالا پہاڑوں پر ایک غار میں پناہ لی، لیکن ناکام رہا:

زہرشہر دورو بہ نزدیک آب کہ خوانی ورا ہنگ افراسیاب (فردوسی، ۳۶۶/۵)

افراسیاب ایک ایسے دیو کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے جس نے اہل ایران کو بارش سے محروم اور قحط سے دچار کر دیا:

زباران ہوا خشک شد ہفت سال دگر گونہ شد بخت وبرگشت حال (۱۹۸/۳)

اس کے مقابل سیاووش اہل ایران کا محبوب شہزادہ ہے، جس نے افراسیاب کی بیٹی فرنگیس سے شادی کی اور پھر افراسیاب ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس حادثے نے ایران اور توران کے مابین نفرت کی خلیج حائل کر دی۔ بعد ازاں سیاووش کے بیٹے کیخسرو نے اپنے باپ کا انتقام لیا:

بہ شمشیر ہندی بزد گردنش بہ خاک اندر افکند تاری تنش (۲۳۵/۵)

شفیعی کدکنی نے بھی افراسیاب اور سیاووش کا قصہ یوں یاد کیا ہے:

خون سیاووش جوان در ساغر افراسیاب پیر می جوشد (شفیعی کدکنی (الف)، ص ۱۲۵)

البرز

البرز نامی عظیم الشان پہاڑ ایران کی تاریخ میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ زرتشتی مذہب کی روایات کے مطابق ہوشنگ پیشدادی نے کوہ البرز ہی پر گھوڑے، گائے اور بھیڑ کی قربانی دی تھی۔ زرتشت نے بھی ایک لمبی عمر پانے کے بعد کوہ البرز پر وفات پائی۔ پُل چینوت، جسے اسلامی تعلیمات میں پُل صراط کہتے ہیں، کا ایک سرا کوہ البرز سے جڑا ہے۔ سیمرغ کا ٹھکانہ بھی اسی پہاڑ پر ہے، فردوسی زال کی پیدائش کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

یکی کوہ بد نامش البرز کوہ بہ خورشید نزدیک و دور از گروہ

بدان جا سیمرغ را لانہ بود بدان خانہ این خرد بیگانہ بود (فردوسی، ۱۳۹/۱)

فریدون نے بھی اپنا بچپن کوہ البرز ہی پر گزارا:

چو بگذشت ازان بر فریدون دو ہشت　　البرز کوہ اندر آمد بہ دشت (ایضاً، ۱/۵۹)

فارسی شاعری میں البرز سورج کے طلوع ہونے کا مقام اور عظمت وشوکت کا مظہر بھی مانا جاتا ہے:

چو خورشید بر زد سر از بر زکوہ　　میان ہا بہ بستند تو ران گروہ (ایضاً، ۲/۴۵۶)

شفیعی کدکنی کوہ البرز سے جڑی اسی روایت کو یوں بیان کرتا ہے:

در یکی از درہ ہای دامن البرز　　با پسرم می رویم پشت بہ خورشید (ص ۳۱۹)

جام جم

جام جم کو فارسی ادب میں جہان نما، گیتی نما، جہان بین، عالم بین اور جہان آرا کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ فردوسی نے جام گیتی نما کا ذکر کیخسرو کی روایت میں کیا ہے، جبکہ جمشید کی داستان میں اس بابت کوئی بات درج نہیں۔ منیژہ اور بیژن کی داستان میں ''دیدن کیخسرو بیژن را در جام گیتی نمای'' کے زیر عنوان مندرجہ ذیل اشعار آئے ہیں:

یکی جام بر کف نہادہ نبید　　بدو اندرون ہفت کشور بدید

زمان و نشان و سپہر بلند　　ہمہ کردہ پیدا، چہ وچون چند

ز ماہی بہ جام اندرون تا برہ　　نگاریدہ پیکر ہمہ یکسرہ

ہمہ بودنی ہا بدو اندرا　　بدیدی جہان دار افسون گرا (فردوسی، ۵/۴۳)

شفیعی کدکنی اسی جام جم کی یاد میں کہتا ہے:

می گذرد از کنار نردہ ٔ میدان　　سایۂ داروغہ در جوار جہالت

جام جم باژ گونہ ابجد تاریخ (شفیعی (ب)، ص ۱۳۳)

جمشید

قدیم ایرانی اور زرتشتی روایات کے مطابق جمشید نے ایران پر تین سو برس حکومت کی۔ اس تمام عرصے میں موت ناپدید ہوگئی۔ انسان، حیوان، چرند و پرند سبھی اس عظیم بادشاہ کے گن

گاتے تھے، لیکن پھر شیطان کے وسوسے میں آ کر اُس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا، جس کے نتیجے میں تمام برکت جاتی رہی۔ فردوسی کہتا ہے:

منی کرد آن شاہ یزدان شناس زیزدان بہ پیچید وشد ناسپاس (فردوسی ۱/۴۲)

مصائب وآلام کا زمانہ آیا اور ضحاک ایران پر قابض ہوگیا۔

شفیعی کدکنی جام جمشید کی اصطلاح یوں استعمال کی ہے:

جستہ ام آفاق را در جامِ جمشیدِ جنون ہر چہ جز عشق تو باقی را گمانی یافتم

(شفیعی کدکنی (الف)، ص ۵۰)

خورشید

خورشید یا سورج کو دیگر قدیم تہذیبوں کی طرح ایران میں بھی غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ روایات کے مطابق کوروش اعظم اپنے لشکر کو سورج طلوع ہونے کے بعد کوچ کا حکم دیا کرتا تھا۔ شاہنامۂ فردوسی میں بھی یہی روایت دکھائی دیتی ہے کہ تمام اہم امور سورج کے طلوع ہونے کے بعد انجام پاتے تھے۔ علاوہ ازیں اقتدار کی علامت اور بقا کا مظہر بھی گردانا جاتا رہا ہے۔

خورشید، شفیعی کدکنی کا محبوب استعارہ ہے، اُس کے ہاں اسے حسن و زیبائی، اوج و اقتدار، عروج وکمال، عظمت وشوکت اور طہارت وعصمت کا درجہ حاصل ہے۔ (۵)

خندہ ات آئینۂ خورشید ہا ست در نگاہت صد ہزار آہو رہا ست (ص ۱۸)

در قلب من دریچہ بہ خورشید ہا توئی

وقتی کہ شب زروزن ناہید روشن است (ص ۶۲)

عشق پاک من وتو قصۂ خورشید و گل است

کہ بہ گل برگ تو ای غنچہ لبانم نرسید (ص ۸۶)

باور مکن کہ خندۂ خورشید بامداد

من می شناسم این ہمہ نیرنگ ورنگ را (ص ۱۴۹)

چہ دعات کویم ای گل
توئی آن دعای خورشید کہ مستجاب گشتی (ص ۲۰۶)

سہراب

ایران کی افسانوی روایت کے عظیم ترین ایرانی پہلوان رُستم کا بیٹا سہراب، جسے بعض متون میں سُرخاب بھی کہا گیا ہے، شاہ سمنگان کی بیٹی تہمینہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ شاہنامۂ فردوسی کی مشہور ترین داستان ''رُستم وسُہراب'' ہی ہے۔ شاہنامہ کی روایت کے مطابق سہراب نے باپ کی عدم موجودگی میں دُنیا میں آنکھیں کھولیں، ماں سے باپ کا پتا پوچھا تو اُس نے رُستم کا نام لیا، اور اُس کی دی ہوئی نشانیاں، ایک خط، سونے کی تین تھیلیاں، اور چمکتے ہوئے تین یاقوت، اپنے بیٹے کو سونپ دیں۔ سہراب تیزی سے جوان ہوا، اور رخش کی نسل سے ایک گھوڑے پر سوار ایران کی جانب لپکا، تاخت وتاراج کرتا ہوا رستم تک جا پہنچا، لیکن باپ بیٹا ایک دوسرے سے نا آشنا تھے، جس کے نتیجے میں ایک عظیم سانحہ پیش آیا اور بیٹا اپنے باپ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مرتے دم سہراب نے اپنے قاتل کو رستم کا ڈراوا دیا، لیکن افسوس تقدیر اپنا فیصلہ سُنا چکی تھی۔

سہراب کی داستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شفیعی کدکنی کہتا ہے:

اگر سہراب، اگر رستم، اگر اسفندیار یل
بہ ہیجا و ہجوم ہر یکی شان صحنہ آرائی
پناہ آرند سوی تو، ہمہ ، در تنگنائی ہا
توئی سیمرغِ فرزانہ کہ در ہر جای، ملجائی (شفیعی کدکنی (ب)، ص ۱۵)

سیمرغ

اوستا، پہلوی اور شاہنامہ کی روایات کے مطابق سیمرغ ایک محیر العقول پرندہ ہے، جب محو پرواز ہوتا ہے تو گویا ابرمہرباں کی طرح پہاڑوں کی وسعتوں پر چھا جاتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سات سو برس عمر پاتا ہے، تین سو برس بعد تخم گذاری کرتا ہے، اور پچیس سال کے بعد انڈے میں سے بچہ نکلتا ہے۔

شاہنامہ کی روایت کے مطابق سیمرغ کا ٹھکانہ کوہ البرز کی بلندیوں پر ہے، جہاں وہ اپنے بچوں کے ساتھ زال کی بھی پرورش کرتا ہے۔ زال گھر واپس لوٹتے ہوئے سیمرغ کا پَر اپنے ہمراہ لاتا ہے، تا کہ بہ وقت ضرورت سیمرغ کو اپنی مدد کے لیے طلب کر سکے۔ دوبار ضرورت پیش آتی ہے، پہلی بار رُستم کی پیدائش کے وقت (۲۳۷/۱) اور دوسری مرتبہ رُستم اور اسفندیار کے مابین جنگ کے موقع پر، جب رُستم اور رخش دونوں زخموں سے چُور ہوتے ہیں (۲۹۴/۶)۔ ان دونوں مواقع پر سیمرغ کامیابی، فتح اورنصرت کا پیامبر ثابت ہوتا ہے۔ شفیعی کدکنی کے ہاں سیمرغ کا ذکر کثرت سے موجود ہے(۶)، چند مثالیں دیکھیے:

سیمرغ و کیمیا و طلسمات دیگر　　نمی رسند بہ داداش (شفیعی کدکنی(ب)،ص ۳۴۸)
کوئی از شہ پر جبریل درآویختہ ام　　یا کہ سیمرغ گرفتہ است بہ منقار مرا (،ص ۲۱)
پناہ رُستم و سیمرغ وفریدون وکیخسر و　　دلیری، بخر دی، رادی، توانائی و دانائی (ص ۱۵)

شقایق (لالہ)

شقایق یا گل لالہ سیاوش کی داستان ذہن میں تازہ کر دیتا ہے، جس کے خون کے چھینٹوں سے گل لالہ پھوٹتا ہے، اورفردوسی پکار اُٹھتا ہے:

بہ ساعت گیاہی از آن خون برست
جز ایزد کہ داند کہ آن چون برست
گیا را دہم من کنونت نشان
کہ خوانی ہمی خون اسیا وشان (فردوسی، ۱۵۳/۳)

گل لالہ کا سرخ رنگ اور سیاہ دل رنج وکرب اورسوز وگداز کی علامت ٹھہرا، فردوسی کہتا ہے:

بیابان چو دریای خون شد درست
تو گفتی ز روی زمین لالہ رُست (ایضاً، ۱۲۳/۱)

شقایق یا گل لالہ کو شفیعی کا محبوب پھول قرار دیں تو بے جا نہ ہوگا (۷)، چند مثالیں دیکھیے:

من پشت تصویر شقایق ہا
و در پناہ گندم زار خواہم ماند
من تاب این آلودگی ہا را ندارم (شفیعی کدکنی (الف)، ص ۲۳۱)

ہر صبح وشب بہ غارت طوفان رمند وباز
باز، آخرین شقایق این باغ نیستید (ایضاً (الف)، ص ۳۸۸)

تاریخ سرفراز شمایان/ بہ ہر بہار
در گردش طبیعتم/ تکرار می شود
زیرا کہ سرگذشت شما را/ بہ کوہ و دشت
''بر برگِ گل/ بہ خون شقایق
نوشتہ اند'' (شفیعی کدکنی (الف)، ص ۴۳۳)

چو شقایق، از دل سنگ برآر، رایت خون
بہ جنون، صلابت صخرۂ کوہسار بشکن (ایضاً (الف)، ص ۴۳۴)

مشت خاکم را بہ پابوس شقایق ہا ببر
وین چنین چشم و چراغ نو بہاران کن مرا (ایضاً (الف)، ص ۴۹۴)

کاووس

کاووس، کیانی سلسلے کا دوسرا اور مشہور ترین بادشاہ ہے۔ شاہنامۂ فردوسی کی رو سے کاووس نے زال کی خواہش کے برعکس مازندران پر حملہ کیا، بعد ازاں توران، مکران اور پھر بربر پر چڑھائی کی، لیکن شکست کھائی۔ شاہ ہاماوران کی بیٹی سودابہ سے شادی کا طلبگار ہوا، لیکن گرفتار ہو گیا۔ رستم نے اسے قید سے نجات دلائی۔ بعد ازاں رستم وسہراب کا معرکہ پیش آیا، اور پھر سیاوش کے واقعے نے کاووس اور رستم کے درمیان فاصلے بڑھا دیے۔ اُس نے ۱۶۰ برس حکومت کی، اور

اُس کی وفات کے بعد عنان اقتدار کیخسرو نے سنبھالی۔ فارسی ادب میں کاووس طاقت وتسلط، اور عظمت وشوکت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ شفیعی کدکنی نے بھی اس کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا ہے:

پای در زنجیر چون کاووس و یارانش   درطلسم جاودان از چارسواینک اسیرانیم
(شفیعی کدکنی (الف)، ص ۱۱۷)

تو گوئی قصہ بہرکودک کرد و بلوچ و لر   کہ از کاووس می گوئی وراز سہراب فرمائی
(ایضاً(ب)، ص ۱٦)

مہر

ایرانی سال کا ساتواں مہینہ، اور ہر مہینے کا سولھواں دن ''مہر'' کہلاتا ہے۔قدیم ایرانی عقائد کے مطابق مہر دراصل ایک دیوتا ہے جس کی ایک ہزار آنکھیں اور دو ہزار کان ہیں۔ یہ آنکھیں اور کان خودفرشتوں کا مقام رکھتے ہیں۔مہر کا ٹھکانہ کوہ البرز کی چوٹی ہے۔ یہاں دن ہے نہ رات، تاریکی ہے نہ ٹھنڈی ہوا،غم ہے نہ گندگی۔ وہ پوری دُنیا پر محیط، ہمیشہ بیدار اور نیند کا دشمن ہے۔وہ چارگھوڑوں کی بگھی پر مشرق سے مغرب کی طرف لپکتا ہے۔فرّ کیانی ہمیشہ اُس کے پا بہ رکاب رہتا ہے۔آتشکدہ مہرخرداد اسی کے نام سے منسوب ہے۔ مہر مہینے کی سولہ تاریخ کوجوش وخروش سے جشن مہرگان منایا جاتا تھا۔فردوسی فریدون کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

بہ روز خجستہ سر مہر ماہ   بہ سر بر نہاد آن کیانی کلاہ
بفرمود تا آتش افروختند   ہمہ عنبر و زعفران سوختند
پرستیدن مہرگان دین اوست   تن آسانی وخوردن آئین اوست
اگر یادگار است ازو ماہ مہر   بکوش و بہ رنج ایچ منمای چہر (فردوسی،۱/۷۹)

شفیعی کدکنی نے اکثر مقامات پرمہرکو، ایزدیا دیوتا کی بجائے محبت، صلح وآشتی مفہوم میں استعمال کیا ہے:

گفتی ''بہ روزگاران مہری نشستہ'' گفتم   ''بیرون نمی توان کردحتی بہ روزگاران''
(شفیعی کدکنی (الف)، ص ۳٦٦)

زین صراحت کہ تو داری بہ رہ کینہ و مہر
بجُھی نیست پس از مرگ ہم ار در بہ دری(ب،ص۴۷)
آنجا زبان مہر و خداوندی خرد
پیوندگار گفت و شنفتش نمی شود (ایضاً(ب)،ص ۳۱۸)

ہما

سیمرغ ہی کی طرح ہما بھی ایک افسانوی پرندہ ہے، جسے خوش نصیبی اور برکت وسعادت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔قدماء کا خیال تھا کہ ہما ہڈیاں کھانے والا ایک پرندہ ہے، جو کسی کی جان نہیں لیتا، اور اگر کسی کے سر پر بیٹھ جائے تو اُسے بادشاہ بنادیتا ہے۔ فارسی ادب میں ہما کا ذکر کثرت سے ہوا ہے۔فردوسی کہتا ہے:

تو فرّ همایی و زیبایی گاه تو تاج کیانی و پشت سپاه

شفیعی کے ہاں بھی ہما کا ذکر ملتا ہے، وہ ہما کی عالی حوصلگی،عظمت وشوکت کا گواہ ہے:

ای همای پرفشان در اوج ها
سایۂ عشق منی جاوید باش (شفیعی کدکنی (الف)،ص ۲۵)
ہیچ کس در اوج آزادی پری نگشود و باز
زین همه مرغان دون همت همایی برنخاست (ایضاً (الف)،ص ٦١)

شفیعی کی شاعری میں تاریخ، روایت، افسانہ اور اسطورہ، سبھی کی جھلک دکھائی دیتی ہے، اُس کی زبان توانا اور موزوں ہے، جبکہ الفاظ کا برمحل استعمال اور صنائع بدائع سے کماحقہ استفادہ اس کی شاعری کو لطافت اور تازگی بخشتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) بسی رنج بُردم درین سال سی عجم زندہ کردم بدین پارسی

(۲) کدکن، موجودہ ایران کے صوبہ خراسان رضوی میں واقع ہے، جو اپنی قدامت اور مردم خیزی کی بنا پر مشہور ہے۔

(۳) ''آتش'' کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:

شفیعی کدکنی (الف): صص ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۷۲، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۵، ۱۹۹، ۲۱۲، ۲۲۶، ۲۴۶، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۷، ۳۲۷، ۴۳۷، ۴۸۴۔

شفیعی کدکنی (ب): صص ۱۲، ۱۹، ۱۹۲، ۲۲۸، ۴۹۳۔

(۴) ''آسمان'' کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:

شفیعی کدکنی (الف): صص ۹۹، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۴، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۵۹، ۱۶۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۱۳، ۳۱۵، ۴۶۱۔

(۵) ''خورشید'' کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:

شفیعی کدکنی (الف): صص ۱۷، ۱۸، ۲۵، ۵۰، ۵۴، ۵۵، ۶۲، ۶۵، ۶۹، ۸۴، ۸۶، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۹، ۲۰۴، ۲۱۷، ۲۱۹، ۳۰۰، ۴۸۴۔

شفیعی کدکنی (ب): صص ۱۴، ۳۶، ۸۷، ۹۰، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۲۱، ۲۶۹، ۳۰۶، ۳۱۹، ۴۴۹، ۴۶۹۔

(۶) ''سیمرغ'' کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:

شفیعی کدکنی (الف): صص ۱۱۴، ۱۱۵۔

شفیعی کدکنی (ب): صص ۱۵، ۲۱، ۳۱، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۹، ۱۸۶، ۳۰۸، ۳۴۷، ۳۴۸۔

(۷) ''شقایق'' اور ''لالہ'' کی مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:

شفیعی کدکنی (الف): صص ۱۴۴، ۱۵۱، ۲۱۷، ۲۳۱، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۱۸، ۳۸۸، ۳۹۳، ۴۰۷، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۷، ۴۶۴، ۴۷۲، ۴۹۴، ۵۰۶۔

منابع

(۱) برہانی، مہدی، (۱۹۹۹ء)، از زبان صبح، درباره ی زندگی وشعر شفیعی کدکنی، انتشارات پاژنگ، تہران

(۲) بشر دوست، مجتبی، (۲۰۰۰ء)، در جستجوی نیشابور، زندگی وشعر محمد رضا شفیعی کدکنی، نشر ثالث، تہران۔

(۳) شفیعی کدکنی، محمد رضا (الف)، (۱۹۹۷ء)، آیینه ای برای صداها، انتشارات سخن، تہران۔

(۴) ایضاً (ب)، (۱۹۹۷ء)، ہزارۂ دوم آہوی کوہی، (شامل ہفت دفتر شعر: مرثیه های سرو کاشمر، خطی ز دل تنگی، غزل برای گل آفتاب گردان، ستارۂ دنباله دار، در ستائش کبوتر ہا)، انتشارات سخن، تہران۔

(۵) ایضاً (۱۹۷۸ء)، از بودن وسرودن، زبان برگ، انتشارات توس، تہران۔

(۶) ایضاً (۱۹۶۹ء)، از زبان برگ، انتشارات توس، تہران۔

(۷) ایضاً (۱۹۷۸ء)، بوی جوی مولیان، انتشارات توس، تہران۔

(۸) ایضاً (۱۹۷۱ء)، در کوچه باغ های نیشابور، انتشارات توس، تہران۔

(۹) ایضاً، (۱۹۶۵ء)، زمزمه ہا، انتشارات امیر کبیر، مشہد۔

(۱۰) ایضاً (۱۹۶۵ء)، شبخوانی، انتشارات توس، تہران۔

(۱۱) ایضاً (۱۹۸۶ء)، مثل درخت در شب باران، انتشارات توس، تہران۔

(۱۲) فردوسی توسی، (۳۶-۱۹۳۴ء)، شاہنامۂ فردوسی، به تصحیح عباس اقبال آشتیانی، ۵ جلد، تہران۔

✿ ✿ ✿